شبیر احمد خاں غوری

مسئلہ صفاتِ باری

اسلام کی فکری تاریخ میں "صفات باری" کا مسئلہ بہت زیادہ اہم رہا ہے۔ اسی کے سلسلے میں بہت سے ایسے مسلمانوں کو جو خالص اسلام کے پیرو تھے اپنے جذبۂ اتباع کے صلے میں قید و بند اور ضرب و جلد بلکہ دار و رسن کی سرکاری نوازشوں سے نوازا گیا اور اسی کے سلسلے میں دنیا کے بعض بڑے روشن خیال اور باعظمت حکمرانوں کے عہد حکومت پر تعصب و تنگ نظری اور ظلم و تشدد کا بدنما داغ لگ گیا۔ اس لیے اس مسئلہ یا اس سے متعلقہ مسائل کی توجیہ و توضیح کے سلسلے میں لکھنے والوں سے ذمہ داری کے ساتھ خامہ فرسائی کی توقع کی جاتی ہے۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی مفکر سواد اعظم کے مسلک سے انحراف کر کے کسی مرجوح مسلک کی ترجمانی کرنا چاہے تو اسے ایسا نہ کرنے دیا جائے۔ نہیں ہر شخص کو ہر مسلک کی ترجمانی کا حق ہے بالخصوص علمی رسائل و جرائد میں۔ لیکن اس قسم کے اہم مسائل میں دیگر مسالک کی بھی نشاندہی کر دینا چاہیے یا کم از کم ان کے دلائل بیان کر کے ان کی تردید یا تضعیف یا تنقید تو کرنا ہی چاہیے۔

جہاں تک ایمان بالقرآن کا تعلق ہے یہ عقیدہ کافی ہے کہ باری تعالیٰ کی ذات تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے اور تمام جہات نقص و حدوث سے منزہ ہے جیسا کہ قرآن کہتا ہے۔ وللہ الاسماء الحسنیٰ اور دوسری جگہ کہتا ہے تعالی اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا اس فطری عقیدے کو بازیچۂ تدقیقات بنانا اسلام کی کوئی مفید خدمت تو نہ ہوگا۔ الٰہیات قدیمہ کے ان تراشے ہوئے لات و منات نے کہ،

ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم ہیں صفات ذات حق حق سے جدا یا عین ذات

یوں ہی بہت بیگانۂ کردار بنا رکھا ہے۔ قوالیوں ہی کی کیا کمی تھی جو کلامی نزاعوں کے احیاء کی ضرورت دامنگیر ہوئی بقول علامہ اقبال:

طبع مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی ورنہ قوالی سے کچھ کمتر نہیں علم کلام

ثقافت کی کسی گزشتہ اشاعت میں "اسمائے حسنیٰ" کے عنوان سے مولانا محمد جعفر پھلواروی کا مقالہ شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے فرمایا ہے:

ا۔ خدا کی تمام صفات ایک ساتھ ہی ہر آن کائنات میں کارفرما ہیں یعنی تمام صفات خاص تناسب (PROPORTION) سے باہم مل کر ایک وحدت کی شکل میں پھیلی ہوئی ہیں گویا توحید ذات کی طرح توحید صفات بھی ایک حقیقت ہے پھر جب یہ احساس ہو جائے کہ اس کی ذات عین صفات اور صفات عین ذات ہے تو بس یہی توحید ربانی کا اعلیٰ مقام ہے[1]۔"

فاضل مقالہ نویس نے "توحید ربانی کا اعلیٰ مقام" "ذات و صفات کی عینیت" کو قرار دیا ہے۔ بالفاظ دیگر سواد اعظم جو صفات "لا عینہ و لا غیرہ" کا قائل ہے "ناقص الایمان" ہے۔ عامہ اہل اسلام کے ایمان پر یہ چھپا ہوا حملہ کچھ مناسب نہیں ہے۔ سواد اعظم نے کسی کوتاہی فکر و عمل کی بنا پر "صفات کے زائد علی الذات" ہونے کے عقیدے کو اختیار نہیں کیا، بلکہ کتاب اللہ و سنت رسول کے تتبع و تفحص و نیز عقل سلیم کو کام میں لانے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ وہ مابعد الطبیعاتی تدقیقات جو متفلسفین و متصوفین نے تراشی ہیں عامہ اہل اسلام کے لیے لاطینی و یونانی سے کم نہیں تھیں اور جن فقہاء و محدثین نے اس "تفلسف" پر گرفت کی تھی، ان کی گرفت کسی "لال بجھکڑ پن" کا نتیجہ نہ تھی، بلکہ تاریخی و معاشرتی وجوہ بھی ان کے پیش نظر تھے۔

چنانچہ "عقائد نسفی" میں ہے:

"وله صفات قائمة بذاته وهي لا هو و لا غيره"[2]

اللہ تعالیٰ کی ذات صفات سے متصف ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں نہ وہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات۔

اسی طرح قاضی ناصر الدین بیضاوی نے طوالع الانوار میں لکھا ہے:

"الثاني انه تعالى عالم بعلم مغاير لذاته خلافاً لجمهور المعتزلة و غير متحد به خلافاً للمشائين وكذا قدرته"[3]

دوسری بحث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم ہے ایسے علم کے ساتھ جو اس کی ذات سے مغایر ہے، جمہور معتزلہ اس عقیدے کے خلاف ہیں۔ اسی طرح علم باری تعالیٰ ذات باری تعالیٰ کے ساتھ متحد بھی نہیں ہے۔ ارسطو کا مکتب فکر اس عقیدے کا مخالف ہے۔ علم ہی کی طرح قدرت باری بھی ذات الٰہی کی مغائر ہے۔

آگے چل کر وہ "ارادہ باری" کے متعلق لکھتے ہیں:

قال اصحابنا وابو علی وابو

ہمارے اصحاب (اہل السنت والجماعت) نے نیز معتزلہ میں سے

---

(۱) ثقافت، نومبر ۱۹۶۱ء، ص ۱، (۲) شرح عقائد نسفی، ص ۴۴ ۲۵ (۳) طوالع الانوار، بیضاوی، ص ۵۸

ابوھاشم والقاضی عبدالجبّار انها صفة زائدة مغائرة العلم والقدرة"

ابو علی جبائی، اس کے بیٹے ابو ہاشم اور قاضی عبدالجبار نے کہا ہے کہ "ارادہ باری" صفۃ زائدہ ہے جو باری تعالیٰ کے علم اور اس کی قدرت دونوں سے مغائر ہے۔

اسی طرح امام رازی نے "لوامع البیّنات" میں فلاسفہ الہیین اور معتزلہ میں سے ابوالہذیل العلّاف، ابواسحاق النظام اور ابو ہاشم الجبائی وغیرہ کے مسالک کی تردید کرنے کے بعد اہل السنت والجماعت کا مسلک لکھا ہے:

"الطریقة الرابعة - ولمّا بطلت هٰذه المذاهب لم یبق الا ان یقال هاتان الصفتان امران ثبوتیان معلومان زائدان علی الذات - وهذا قول مثبتی الصفات"

صفات باری کی بحث کے باب میں چوتھا طریقہ جب یہ تینوں مذہب (یعنی فلاسفہ الہیین کا مذہب جو صفات باری کو سلوب و اضافات میں منحصر سمجھتے ہیں، ابوالہذیل العلاف معتزلی کا مذہب جو ذات و صفات باری کو عین یکدگر کہتا ہے۔ ابواسحاق النظام کا مذہب جو کہتا ہے کہ صفات باری کا مفہوم سلبی ہے اور ابو ہاشم الجبائی کا مذہب جو کہتا ہے کہ صفات باری نہ موجود ہیں نہ معدوم) باطل ہو گئے تو اب یہی بات متحقق ہوئی کہ علم و قدرت ایسی صفتیں ہیں جو ثبوتی ہیں، معلوم ہیں اور ذات پر زائد اور اس سے مغائر ہیں اور یہی مثبتین صفات کا کہنا ہے۔

اسی طرح انہوں نے (امام رازی نے) "محصل افکار المتقدمین والمتاخرین" میں لکھا ہے:

اتفق اصحابنا علی انهٗ تعالیٰ عالم بالعلم قادر بالقدرة - حی بالحیاة خلافاً للفلاسفة المعتزلة ...... لان الدلالة ما دلت الا علی اثبات امر زائد علی الذات"

ہمارے اصحاب (علمائے اہل سنت) کا اس بات پر اتفاق ہے کہ باری تعالیٰ عالم ہے علم کے ساتھ قادر ہے قدرت کے ساتھ حی ہے حیات کے ساتھ برخلاف فلاسفہ معتزلہ کے (جو صفات باری کو عین ذات مانتے ہیں) ...... کیونکہ دلائل امر زائد علی الذات کے اثبات ہی پر دلالت کرتے ہیں (یعنی صفات باری ذات باری پر زائد اور اس سے مغائر ہیں)

اسی طرح امام غزالی نے "الاقتصاد فی علم الاعتقاد" میں فرمایا ہے:

---

(۱) ایضاً، ص ۵۰ (۲) لوامع البینات للرازی، ص ۱۸ (۳) المحصل للرازی، ص ۱۳۱

ان الصفات السبعة التی دللنا علیها لیست هی الذات بل هی زائدة علی الذات فصانع العالم تعالیٰ عندنا عالم بعلم وحی بحیاة وقادر بقدرة و هکذا فی جمیع الصفات وذهبت المعتزلة والفلاسفة الی انکار ذالک۔"

باری تعالیٰ کی صفات ہفت گانہ (علم، قدرۃ، حیاۃ، ارادہ، سمع، بصر اور کلام) جن کی ہم نے نشاندہی کی ہے وہ عین ذات نہیں ہیں بلکہ ذات پر زائد اور اس سے مغائر ہیں پس صانع عالم تعالیٰ ہمارے نزدیک علم کے ساتھ عالم ہے، حیات کے ساتھ حی ہے، قدرت کے ساتھ قادر ہے، اور اسی طرح دیگر صفات میں لیکن فرقہ معتزلہ اور فلاسفہ نے اس کا انکار کیا ہے۔

متاخرین میں قاضی عضدالدین الایجی نے "المواقف" میں لکھا ہے:

المقصد الاول فی اثبات الصفات (ﷲ تعالیٰ) علی وجه عام۔ بحث اول: عمومی طور پر صفات باری کا اثبات

ذهبت الاشاعرة الی ان له تعالیٰ صفات (موجودة قدیمة) زائدة فهو عالم بعلم قادر بقدرة۔ مرید بارادة وعلیٰ هذا۔ وذهبت الفلاسفة والشیعة الی نفیها۔"

اشاعرہ (اہل سنت) کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات موجود ہیں (احوال یعنی لا موجود و لا معدوم ہیں) قدیم ہیں اور زائد علی الذات ہیں۔ پس باری تعالیٰ عالم ہے علم کے ساتھ، قادر ہے قدرت کے ساتھ، مرید (ارادہ کرنے والا ہے) ارادے کے ساتھ وقس علیٰ ہذا۔ فلاسفہ اور شیعہ اس بات کے منکر ہیں۔

اسی طرح علامہ تفتازانی نے "تہذیب الکلام" میں لکھا ہے:

"فصل فی الصفات الوجودیة وهی ازلیة ابدیة زائدة علی الذات اذ لا یعقل من مفهوم العالم الا من له علم وهکذا۔"

فصل: صفات وجودیہ کا بیان۔ یہ صفات وجودیہ ازلی و ابدی ہیں اور ذات پر زائد (غیر ذات) ہیں کیونکہ "عالم" کا مفہوم اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ "وہ ذات جسے علم حاصل ہو" وقس علیٰ ہذا۔

پھر سواد اعظم حنفی المذہب ماتریدی المسلک ہے یا اشعری المسلک۔ اوپر اشاعرہ کے اقوال مذکور ہوئے۔ نیز سب سے پہلے احناف میں سے نجم الدین عمر النسفی (المتوفی ۵۳۷ھ) کا قول نقل ہوا۔ احناف امام اعظم ابوحنیفہ النعمان الکوفی (المتوفی ۱۵۰ھ) کے متبع ہیں وہ "الفقہ الاکبر" میں فرماتے ہیں:

لم یزل ولا یزال باسمائه وصفاته

باری تعالیٰ اپنے اسماء اور ذاتی و فعلی صفات کے ساتھ ہمیشہ سے

---

(۱) الاقتصاد للغزالی، ص ۹۰ (۲) شرح المواقف، جلد ثانی، ص ۴۵ (۳) تہذیب الکلام للتفتازانی، ص ۴۲۔

الذاتية والفعلية ..... لم يزل عالماً بعلمه والعلم صفة في الازل قادراً بقدرته والقدرة صفة في الازل متكلما بكلامه والكلام صفة في الازل۔"

تھا اور ہمیشہ رہے گا .... وہ ہمیشہ سے اپنے علم کے ساتھ عالم ہے اور علم ازل سے اس کی صفت ہے، اپنی قدرت کے ساتھ قادر ہے اور قدرت ازل سے اس کی صفت ہے، اپنے کلام کے ساتھ متکلم ہے اور کلام ازل سے اس کی صفت ہے۔

آگے چل کر اسے اور موکد کرتے ہیں :

وصفاته في الازل غير محدثة ولا مخلوقة فمن قال انها مخلوقة او محدثة او وقف فيها او شك فيها فهو كافر بالله تعالى۔"

اور باری تعالیٰ کی صفات ازلی ہے غیر محدث اور غیر مخلوق ہیں۔ پس جس شخص نے یہ کہا کہ وہ مخلوق ہیں یا محدث ہیں یا اس باب میں توقف کیا یا شک کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کا کافر ہے۔

اسی طرح امام ابوالحسن الاشعری (بانی مسلک اشعریت) کے متعلق شہرستانی نے "کتاب الملل والنحل" میں لکھا ہے :

قال ابو الحسن، الباری تعالیٰ عالم بعلم قادر بقدرة حی بحیاة مرید بارادة متکلم بکلام سمیع بسمع، بصیر ببصر وله في البقاء اختلاف، رأی قال وهذه الصفات ازلية قائمة بذاته لا يقال هی هو ولا غيره ولا لاهو ولا لا غيره

امام ابوالحسن الاشعری نے کہا ہے کہ باری تعالیٰ عالم ہے علم کے ساتھ قادر ہے قدرت کے ساتھ، حیّ ہے حیات کے ساتھ، مرید ہے ارادے کے ساتھ، متکلم ہے کلام کے ساتھ، سمیع ہے سمع کے ساتھ بصیر ہے بصر کے ساتھ۔ صفت بقا کے بارے میں ان کی رایوں میں اختلاف ہے۔ امام اشعری کا کہنا ہے کہ یہ صفات ازلی ہیں اور ذات باری کے ساتھ قائم ہیں نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ صفات عین باری ہیں نہ یہ کہ وہ غیر باری ہیں، نہ یہ کہ صفات باری، باری نہیں نہ یہ کہ وہ اس کی غیر ہیں۔

اس تفصیل سے جسے بخوف تطویل استقصا تک نہیں پہنچایا جا رہا، ظاہر ہے کہ صفات باری کے زائد علی الذات ہونے (یا صفات و ذات کے غیر یکدیگر ہونے) کا قول سواد اعظم کا متفقہ مسلک ہے اور اس کے قائلین وہ عباقرۂ روزگار ہے جن پر اسلامی فکر کی تاریخ کو ناز ہے۔ اس قول مختار کے مقابلے میں متفلسفین و متصوفین کے مذہب کو ایمان کامل کا مصداق بتانا کہ

"پھر جب یہ احساس ہو جائے کہ اس کی ذات عین صفات اور صفات عین ذات ہے تو بس یہی توحید ربانی کا

(۱) شرح الفقہ الاکبر لملا علی قاری، ص ۲۲ (۲) شرح الفقہ الاکبر ص ۲۴۔ بلکہ ملا علی قاری نے تو یہ کہا ہے :

اعلیٰ مقام ہے۔"

اجتراء محض ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ نام نہاد "عینیت ذات وصفات" کا قول شرک جلی کا تاریخی نتیجہ ہے۔

۴۔ فاضل مقالہ نگار نے دوسری جگہ فرمایا ہے

"(۱) البتہ جمیل کا لفظ ہمارے نزدیک بڑا بنیادی اور اہم ہے۔ اللہ جمیل ویحب الجمال۔"

لیکن اگر اطلاق "جمیل" کا اذن کتاب وسنت سے ثابت ہے تو "جمیل" اسمائے حسنیٰ میں سے ہوگا ورنہ نہیں کیونکہ قولِ مختار یہ ہے کہ اسمائے باری تعالیٰ توقیفی ہیں۔ امام رازی نے لکھا ہے:

اختیار الشیخ الغزالی ان الاسماء موقوفة علی الاذن۔ اما الصفات فغیر موقوفة علی الاذن وھذا ھو المختار۔"	امام غزالی کا قول مختار یہ ہے کہ اسمائے باری اذن شرع پر موقوف ہیں۔ رہیں صفات باری تو وہ اذن شرع پر موقوف نہیں ہیں۔ اور یہی علمائے اسلام کا قول مختار ہے۔

فاضل مقالہ نویس نے اس بحث کے اندر علمائے اسلام میں سے کسی کا حوالہ نہیں دیا صرف آرنلڈ صاحب کا حوالہ دیا ہے:

"آرنلڈ صاحب نے اسمائے حسنیٰ پر جو کتاب لکھی ہے اس میں انہوں نے جلیل کی بجائے جمیل ہی لکھا ہے کیونکہ ذوالجلال والاکرام میں جلیل کا پورا مفہوم داخل ہے۔"

جناب مقالہ نویس کو اس بات کا پورا حق ہے کہ وہ مفکرین اسلام یا شارحین کتاب وسنت کو درخور اعتنا سمجھیں یا نہ سمجھیں لیکن جب انہوں نے "اسماء حسنیٰ" جیسی خالص دینی بحث میں آرنلڈ صاحب کو واجب المطاع حکم قرار دیا اور انہیں یہ حق دیا کہ وہ محدثین کی تحقیقات پر قلم اصلاح چلا سکیں تو ہمیں بڑی مایوسی ہوئی۔ آخر مسئلہ اضافیت یا جوہری توانائی کا تو نہ تھا جس کے لیے صرف علمائے مغرب ہی سند ہو سکتے ہیں۔ اس شکوہ سے مقصود آرنلڈ صاحب کا ازورا نہیں ہے وہ واجب الاحترام مستشرق ہیں۔ لیکن فاضل مقالہ نویس کا یہ انتخاب اسلامی ثقافت کی بے مائگی کا اعلان ہے کہ اسلامی فکر تیرہ سو سال کی مدت میں بھی ایک ایسا عالم نہ پیدا کر سکی جو "اسماء حسنیٰ" پر کم از کم اسی معیار کی بحث کر سکتا جو ایک غیر قوم غیر مذہب کے محقق نے کی ہے۔

چونکہ فرقہ جہمیہ کی بدعت طرازیوں کی وجہ سے مسئلہ صفات کو دوسری صدی ہجری کے آغاز ہی سے اہمیت حاصل ہو گئی تھی اس لیے اکثر محدثین کرام نے اسماء وصفات باری کے موضوع پر مستقل کتابیں تصنیف کیں مثلاً امام بخاری

---

(۱) لوامع البینات للرازی، ص ۱۸۷

کی (صحیح بخاری کی آخری کتاب)، "کتاب التوحید والرد علی الزنادقہ والجہمیہ" امام ابوداؤد کی "کتاب الرد علی الجہمیہ" امام نسائی کی "کتاب النعوت"، نعیم بن حماد الخزاعی (امام بخاری کے شیخ) کی "کتاب فی الصفات والرد علی الجہمیہ" عبداللہ بن محمد الجعفی (امام بخاری کے دوسرے شیخ) کی "کتاب الصفات والرد علی الجہمیہ" شیخ عثمان بن سعید الدارمی کی "کتاب الصفات والرد علی الجہمیہ" (رد الامام الدارمی عثمان بن سعید علی بشر المریسی العنید) امام احمد بن حنبل کا "رسالہ فی اثبات الصفات والرد علی الجہمیہ" عبدالعزیز الکنانی (شاگرد امام شافعی) کی "کتاب فی الرد علی الجہمیہ" بیہقی کی "کتاب الاسماء والصفات" اور بے شمار کتابیں۔ متکلمین اہل السنت والجماعت نے بھی ان مسائل کو اپنی کلامی تصانیف میں بیان کیا اور بعض حضرات نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھیں جیسے امام غزالیؒ نے "المقصد الاسنیٰ فی اسماء اللہ الحسنیٰ" اور امام رازی نے "لوامع البینات فی شرح اسماء اللہ تعالیٰ والصفات" وغیرہا۔

اس مختصر گوشوارے سے اس موضوع پر اسلامی فکر کی ثروت کا اندازہ ہو جائے گا۔ لیکن جناب مقالہ نویس نے انہیں چھوڑ کر آرنلڈ صاحب سے استفادہ کیا جس کی وجہ شاید وہ ہی جانتے ہوں گے۔

۲۔ غرض اسماء و صفات کی ابحاث بہت قدیم ہیں اور جو اعتراضات آج کئے جاتے ہیں وہ آج سے ہزار سال پہلے کے ہیں مثلاً فاضل مقالہ نویس نے لکھا ہے:

"یہاں جو بات کم از کم مجھے انتہائی حیرت میں ڈالے ہوئے ہے وہ یہ ہے کہ ترمذی، ابن حبان اور حاکم اور ابونعیم کی روایتوں میں لفظ رب موجود نہیں۔"

لیکن یہ کوئی نیا اعتراض نہیں ہے۔ آج سے ہزار سال پہلے ابو زید نے بھی یہ اعتراض کیا تھا۔ چنانچہ امام رازی نے جہاں طاعنین حدیث کے اعتراضات گنائے ہیں لکھا ہے:

السؤال الخامس ۔۔۔ قالو ھٰذہ	سوال پنجم ۔۔۔۔۔۔۔ معترضین نے کہا یہ روایت ضعیف ہے
الروایۃ ضعیفۃ و یدل علیہ وجوہ	اور اس کی دلیل درجِ ذیل ہیں ۔۔۔۔۔۔ وجہ سوم یہ لوگ
ثالثھا ان قالوا الاسماء المنقولۃ	(معترضین) کہتے ہیں کہ اس روایت میں جو اسمائے حسنیٰ نقل ہوئے
فی ھٰذہ الروایۃ غیر مشتملۃ علی ذکر	ہیں ان میں "رب" کا ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ قرآن نے اس کا ذکر
الرب والقرآن نطق بہ"	کیا ہے۔

کیا اچھا ہوتا اگر فاضل مقالہ نویس نے مستشرقین کی تصانیف کے ساتھ علمائے اسلام کی تصانیف کو بھی درخور اعتنا سمجھا ہوتا۔

(۱) لوامع البینات للامام الرازی، ص ۴۵

میں یہ نہیں کہتا کہ اگر انہوں نے اسلامی ادب کا مطالعہ کیا ہوتا تو علمائے اسلام نے اس اعتراض کا یا اس جیسے دیگر اعتراضات کا جو جواب دیا ہے اس سے مطمئن ہو ہی جاتے۔ مجھے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ اگر وہ علمائے اسلام کے جوابات سے مطمئن نہ ہوتے تو ان جوابات پر مزید قیل و قال فرماتے اور اس طرح علمی بحث کا سلسلہ وہاں سے آگے جاری ہوتا جہاں وہ ایک ہزار سال پہلے پہنچ چکا تھا۔ محض ان فرسودہ مطاعن و اعتراضات کے اعادے سے جن کے ہزار سال پہلے تشفی بخش جوابات دیئے جا چکے ہیں، تحقیقات علمیہ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

۴۔ فاضل مقالہ نویس نے آخر مقالہ میں فرمایا ہے:

"(۱۵) اس لفظ اللہ کا ترجمہ کہیں معبود کیا جاتا ہے کہیں حاکم اور کہیں پوجا کے لائق وغیرہ۔ یہ معانی غلط نہیں لیکن ان سے صرف دو ایک ہی پہلو سامنے آتے ہیں۔ ۔ ۔ بہتر ترجمہ ہمارے نزدیک نصب العین ہے یعنی زندگی کا وہ منتہائے مقصود جس سے آگے اور کوئی مقصود نہ ہو سکے۔"

لیکن ظاہر ہے کہ

(ل) نصب العین ہو یا زندگی کا منتہائے مقصود حقیقی و واقعی ہونے کے باوجود IMPERSONAL (امرعدیم التشخص) ہیں جن کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہے صرف ذہن ہی میں موجود ہیں حالانکہ ذات باری PERSONAL ہے محض تصور نہیں ہے

(ب) نصب العین کا تعین اور اس میں حسن و غیر حسن کا امتیاز انتہائی مشکل ہے۔ عقل انسانی کے لیے خیر و شر کا فیصلہ سوائے ہدایت ربانی کے ناممکن ہے چنانچہ ماہرین اخلاقیات نے جتنے معیار اخلاق تلاش کئے سوائے "وحی ربانی" کے سب کے سب مقدوح ہیں جیسا کہ قرآن بھی اس جانب اشارہ کرتا ہے

وعسیٰ ان تکرھوا شیئًا وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئًا وھو شر لکم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون۔

اس لیے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شدت طلب میں مطلوب کے شرور و قبائح بصارت و بصیرت سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ یہ روزانہ نفسیات کا فیصلہ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر ہوائے نفسانی نصب العین اور زندگی کا منتہائے مقصود بن جاتی ہے۔ اُسے الٰہ قرار دینا خود کو

افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ واضلہ اللہ علیٰ علم وختم علیٰ سمعہ وقلبہ وجعل علیٰ بصرہ غشاوۃ۔

کے زمرے میں داخل کرنا ہے۔ والعیاذ باللہ

فاضل مقالہ نویس کو یہ اعتراف ہے کہ اہل تصوف و فلاسفہ اور بعض فرقے عینیت کے قائل ہیں اور ان کے نزدیک ذات و صفات میں غیبت نہیں مگر کچھ ایسی مغائرت بھی نہیں۔ اس کے باوجود فاضل مضمون نگار کے نزدیک نام نہاد

عینیت ذات وصفات کا قول شرک جلی کا تاریخی نتیجہ ہے۔

گزارش یہ ہے کہ میں کسی فرقے کو نہ سر سے پاؤں تک باطل سمجھتا ہوں اور نہ کسی فرقے کو از سر تا پا معصوم عن الخطا جانتا ہوں۔ ہر ایک میں کچھ خوبیاں بھی ہیں اور کچھ کمزوریاں بھی۔ یہ کوئی ضرور نہیں کہ اشاعرہ کی ہر بات درست ہو اور معتزلہ صوفیہ اور فلاسفہ کی ہر بات غلط ہو۔ رازی، غزالی، تفتازانی وغیرہم نے بعض معتزلہ عینیت کی تردید میں تو شدت اختیار فرمائی ہے لیکن مغائرت کے بارے میں یہ حضرات بھی ڈھیلے ہی ہیں۔ ہم دراصل مسلک اہل تصوف کو زیادہ صحیح اس لیے سمجھتے ہیں کہ ان کے ہاں محض قال رازی نہیں حال رومی بھی ہے

گر با استدلال کار دیں بدے   فخر رازی راز دار دیں بدے

آپ نے میرے نظریے کو "اجتراء محض" قرار دیا ہے۔ اب یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے کہ اہل تصوف کے نظریے کو شرک جلی و شرک خفی بھی نہیں بلکہ شرک جلی، کا تاریخی نتیجہ قرار دینا اجتراء محض ہے یا ہمارا پیش کردہ تصور۔

۲۔ میرے خیال میں تو آزاد صاحب کا حوالہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ہم اسما کی شرح لکھنے نہیں بیٹھے تھے اور نہ فرقۂ جہمیہ کی تائید و تردید کرنے سے ہمیں کوئی غرض تھی۔ جب فرقۂ جہمیہ کی تائید یا تردید سے کوئی بحث ہوگی تو آپ کی پیش کردہ فہرست کتب سے انشاء اللہ فائدہ اٹھایا جائے گا۔ ہمارا نقطۂ نظر کتاب اللہ اور کتب احادیث کے مندرجہ اسمائے حسنیٰ کو مع ان کے اختلاف کے پیش کرنا تھا۔

۳۔ اگر ہم نے کوئی شبہ آج ایسا پیش کیا ہے جو ہزار سال پہلے بھی پیش ہو چکا ہے تو یہ خوشی کی بات ہے کہ متفق گردید رائے بوعلی با رائے من۔ لیکن اس شبہے کا جواب کیا ہے؟ شبہ یہ ہے کہ فلاں فلاں کی روایت میں لفظ رب نہیں۔

ہم "نصب العین" پر ایک مضمون اپریل ۱۹۶۰ء کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیے۔

"نصب العین" پر جو مضمون اپریل ۱۹۶۰ء کے ثقافت میں شائع ہوا ہے اس میں میں نے اس نظریہ کی پوری تشریح کر دی ہے۔ (محمد جعفر)

گلستانِ حدیث

: مصنفہ محمد جعفر پھلواروی

چالیس منتخب احادیث نبوی کی تشریح جس کے ہر مضمون کی تائید میں دوسری احادیث اور قرآن کریم کی آیات سے ان کی مطابقت نہایت دلکش انداز سے پیش کی گئی ہے۔ انداز نگارش اچھوتا اور تشریحات جدید افکار و اقدار کی روشنی میں کی گئی ہیں۔ کاغذ و طباعت عمدہ۔ مجلد مع گرد پوش۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے۔

ملنے کا پتہ: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور